جناب محمد یوسف صاحب فاروقی

قسط دوم

اسلام میں سیاست و مملکت کی حقیقی بنیادیں

تیسرا اصول | تیسرا اہم اصول جس سے نظم خلافت کی تکمیل ہوتی ہے "بیعت" ہے۔ یہ لفظ بیع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں فروخت کر دینا۔ اس لفظ کے صحیح مفہوم اور اس کی روح کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کو غور سے پڑھیئے۔

إن الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون و يقتلون وعداً عليه حقا في التوراة والانجيل والقرآن - و من اوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم الذى بايعتم به و ذالك هو الفوز العظيم

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال کا جنت کے عوض سودا کر لیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہیں کبھی مارتے ہیں اور کبھی خود مارے جاتے ہیں یہ توریت، انجیل اور قرآن حکیم میں سچا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ مبارک ہو تمہیں یہ سودا جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کر لیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (توبہ - ۱۱۱)

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب یثرب سے آنے والے مٹھی بھر لوگوں نے شہر مکہ کی حدود سے باہر عقبہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ گویا یہ عہد تھا ایک عظیم الشان مقصد کے لئے، اپنے تن من دھن کی قربانی دینے کا۔ اہل یثرب نے جس عزم اور خلوص کے ساتھ یہ بیعت کی تھی اس کی جھلک قرآن کریم کی ان آیات میں نمایاں ہے۔ یہی بیعت عقبہ تھی جسے مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔

ہر فرد مسلم یا جو فرد بھی اسلام قبول کر لیتا ہے وہ اپنے رب کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہے۔ پھر اس عہد کی بار بار تجدید بھی کرتا رہتا ہے۔ دنیا میں اس کا یہ عہد درحقیقت عہد الست کی تجدید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے تمام عہد و میثاق کی تکمیل کے لئے امت مسلمہ جب اجتماعی نظم کے ساتھ خلیفہ کے ساتھ معاہدہ کرتی ہے تو یہ معاہدہ بیعت کہلاتا ہے۔ اس معاہدہ کی ایک فریق حکومت ہوتی ہے جب کہ دوسرا فریق رعایا ہے۔ اس معاہدہ میں خلیفہ اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری دیانت داری کے ساتھ پورا کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اور عوام اس عظیم الشان نصب العین کے حصول

کے لئے اس کے ساتھ مخلصانہ تعاون کرنے اس کی بات غور سے سنتے اور ذمہ داری کے ساتھ اطاعت کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

بعض مسلم فقہا نے اس معاہدہ کو وکالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میں خلیفہ وقت عوام کی جانب سے وکیل ہوتا ہے۔ جو منشا صدامت کی تکمیل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بہرحال یہ ایک ایسا مقدس معاہدہ ہے جس کی پابندی ہر فریق پر لازمی ہے۔ اب خلیفہ وقت اور اس کی ساری سرکاری مشینری نہ صرف امت کی طرف سے سونپے ہوئے فرائض کو پورا کرے گی بلکہ عوام کو ان کے اصلی مقصد سے وابستہ رکھنے کی کوشش بھی کرے گی۔ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ اسی طرح رعایا اپنے ارباب حل وعقد پر کڑی نظر رکھے گی۔ اور انہیں ہر حالت میں اپنے فرائض منصبی پورا کرنے پر آمادہ رکھے گی۔ عوام انہیں صحیح صحیح مشورہ بھی دیں گے۔ اور ان کی کوتاہیوں خامیوں اور غلط پالیسیوں پر پوری آزادی کے ساتھ تنقید بھی کریں گے۔ اور اگر ارباب حل وعقد معاہدہ کی زیادہ خلاف ورزی کرتے ہیں تو انہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دیں کیونکہ شریعت اسلامیہ میں سمع و طاعت کی حدود متعین ہیں۔

نظم مملکت اور اسلام کے اجتماعی نظام میں بیعت کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدگی سے بیعت لی ہے۔ آپ کے دور میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا تھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کرتا تھا۔ عہد نبوی میں یہ عمل مسلسل رہا ہے۔ آں حضرت نے انفرادی بیعت بھی کی ہے اور اجتماعی بیعت بھی۔ عام الوفود میں بڑی بڑی جماعتیں آپ کے پاس آتی تھیں اور قبول اسلام کے بعد آپ کی اطاعت اور اقامت دین میں تعاون پر بیعت بھی کرتی تھیں۔

بیعت ایک اجتماعی معاہدہ ہے اسی لئے اسے لازمی قرار دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

مَن مَاتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِهِ بيعةٌ مَاتَ ميتةً الجَاهِلِيّةِ

جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ

كُنَّا نُبَايِعُ رسول الله صلى الله عليه وسلم عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا استَطَعتَ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع و طاعت کی بیعت کیا کرتے تھے تو آپؐ ہم سے فرماتے تھے کہ اپنی استطاعت بھر اطاعت کرو۔[2]

---

[1] مسلم، الجامع الصحیح۔ باب الامر بلزوم الجماعۃ [2] مسلم الجامع الصحیح باب البیع علی السمع والطاعۃ صد ۱۳۹

جمہور امت کے بیعت کرنے سے ایک اجتماعی معاہدہ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ معاہدہ اخلاقی حیثیت بھی رکھتا ہے اور قانونی حیثیت بھی۔ بیعت کر لینے کے بعد مملکت کا ہر فرد نہ صرف ظاہری طور پر حکومت کا وفادار اور اطاعت گذار اور قانون کا پابند ہو جاتا ہے بلکہ اخلاقی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو پابند سمجھتا ہے۔ اس پابندی میں جہاں دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا عقیدہ انہیں مزید پابند بنا دیتا ہے۔ اس معاہدہ کی دینی حیثیت اسے اور زیادہ مستحکم بنا دیتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک منظم و طاقتور معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جو اپنے مقاصد کی تکمیل بطریق احسن کر سکتا ہے۔

عہد نبوی کے بعد خلفائے راشدین اور بعد کے خلفا بھی باقاعدہ بیعت لیتے رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اس پر طویل عرصہ تک عمل ہوتا رہا ہے۔

بیعت براہ راست بھی ہو سکتی ہے اور بالواسطہ بھی۔ دور خلافت میں ہمیں دونوں طریقے ملتے ہیں۔ بالواسطہ بیعت کے لئے لازمی ہے کہ جو شخص خلیفہ وقت کے لئے بیعت لے رہا ہے وہ قانونی طور پر خلیفہ کا نمائندہ ہو۔ وقت اور مصلحت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیعت کی تجدید بھی ہو سکتی ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ بیعت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ بعض اوقات خاص حالات میں کسی مخصوص مہم یا کسی اہم بات پر بھی بیعت لی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ اور غزوۂ خندق کے موقعہ پر جہاد پر بیعت لی تھی

بیعت لینے کے بعد خلیفہ کا مسجد میں آکر امت کے سامنے اپنے فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں عہد کرنا بھی اس کی دینی حیثیت کو تقویت دیتا ہے۔ وہ مسجد میں آکر بیک وقت اللہ تعالیٰ اور امت دونوں کے سامنے عہد و پیمان کرتا ہے۔ خلفاء راشدین خاص طور پر ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض کے وہ خطبات جو انہوں نے تکمیل بیعت کے فوراً بعد دئے۔ ہماری سیاسی تاریخ کا شاہکار ہیں۔

نظریہ ہجرت وجہاد | چوتھی بنیادی چیز ہجرت وجہاد کا نظریہ ہے۔

ہجرت وجہاد کا باہمی تعلق بہت محکم ہے۔ اس باہمی ربط وتعلق کی وجہ سے ہم نے دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی چھ مختلف مقامات پر ہجرت وجہاد کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے[1]

تاریخ پر نظر رکھنے والے اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہجرت کے عمل نے نہ صرف انسانی تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات پیدا کئے ہیں بلکہ تاریخ وزمانہ کے رخ کو موڑا ہے۔ یہ ہجرت خواہ موسیٰ علیہ السلام کی ہو یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یا پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان باطل کے ساتھ

---

[1] آیات بقرہ ۲۱۸، انفال ۷۲-۷۴-۷۵، توبہ ۲۰، النحل ۱۱۰

ہر قسم کی مصالحت اور مفاہمت کو رد کر دے۔ اور ایسے ماحول میں جہاں دین کے احیاء اور حق کے غلبہ کے آثار کمزور پڑ گئے ہوں اپنی صلاحیتوں اور اپنی قوتوں کو ضائع نہ کرے۔ یہ ہرگز جائز نہیں کہ ایک طرف تو انسان اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کر لے۔ دوسری طرف مداہنت سے کام لے کر جاہلیت کے تہذیبی اور تمدنی اثرات قبول کر کے باطل نظام کا حصہ بن جائے۔ اور وہ عہد جو اس نے اپنے رب سے کیا ہے اس کی زندگی بھر خلاف ورزی کرتا رہے۔ جب حق کے داعیوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کا فریضہ صحیح طرح انجام نہ دے سکیں۔ تو پھر ان حالات میں فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن، قوم، گھر بار اور احباب رشتہ دار سب کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اور اگر دارالاسلام کہیں موجود نہ ہو تو کسی اچھے خطے میں جا کر آباد ہو جائیں جہاں حالات سازگار ہوں۔ تاکہ اپنے دین کی حفاظت بھی کر سکیں اور اس مقام کو مرکز بنا کر دنیا بھر میں دین کی دعوت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ہجرت شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی اس قسم کے حالات میں فرض ہو جاتی ہے اس لئے کہ امت مسلمہ کے وہ افراد جو طاغوتی طاقتوں میں گھرے ہوئے ہوں اور جاہلی معاشرہ میں بے بس ہوں ان کی انفرادی قوت اور صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ ان کی تمام توانائیوں اور تمام صلاحیتیں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے صرف ہونی چاہییں۔

سورہ نساء میں بہت بلیغ انداز میں ہجرت پر ابھارا گیا ہے اور ان لوگوں کے بھیانک انجام کا ذکر کیا ہے جو استطاعت ہونے کے باوجود ہجرت نہیں کرتے۔ ارشاد ہے :-

ان الذین توفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم، قالوا فیم کنتم، قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا ۔ فاولٰئک ماوٰھم جھنم ۔ وساءت مصیرا ہ (النساء ۹۷)	جن لوگوں کی جان فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے ہوتے ہیں وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم تو اس ملک میں بالکل بے بس تھے (فرشتے) کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی تعالیٰ کی زمین وسیع تر نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہ ہے وہ سخت وعید جس میں تارکین ہجرت کو متنبہ کیا گیا ہے۔ سورہ انفال میں تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ ہجرت کر کے آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو جاتے ان کا ملت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم	اور جو لوگ ایمان تو لاتے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب

مِن وَلَایَتِهِم مِن شَیءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوا (انفال ۷۲)		تک وہ ہجرت نہ کریں تمہارا ان سے کوئی رشتہ ولایت نہیں۔

یہ ہجرت تمامتر اللہ اور رسول کے لئے ہوتی ہے۔ اسی لئے افراد کے ذاتی مفادات نہ رکاوٹ بنتے ہیں اور نہ ہی ذاتی مفادات کا تصادم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے عمل نے تاریخ میں سب سے زیادہ موثر، پرامن انقلاب برپا کیا ہے۔ ایسے عظیم الشان انقلاب کی کوئی نظیر ہمیں سیاسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ روس، فرانس اور چین کے انقلابات بھی سیاسی تاریخ کا حصہ ہیں۔ لیکن ان انقلابات نے ہزاروں انسانوں، بے گناہ بچوں اور خواتین کی جانوں کو لقمہ اجل بنا کر انسانیت کو کیا دیا؟ اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کر کے جو انقلاب برپا کیا اس نے امن سلامتی کو مستحکم کیا۔ دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کیا۔ احترام انسانیت کا درس دیا۔ علم وفکر، اخلاق وسیاست، تہذیب وتمدن سے دنیا کو آشنا کرایا۔ اگر ۱۳ نبوی ہجرت نہ ہوتی تو آج قوموں کی تاریخ اور علم وفکر، تہذیب وتمدن اور اخلاقی قدریں بالکل مختلف ہوتیں اور جاہلیت اتنی بھیانک شکل میں ہوتی کہ اس کے تصور سے بھی خوف آتا ہے۔

جہاد | جہاد کا لفظ جہد سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جد وجہد کرنا۔ محنت ومشقت برداشت کرنا۔ کوئی کام انجام دینے میں تکلیف اٹھانا۔ لیکن اسلام میں یہ ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں دین اسلام کے غلبہ، معروف کے قیام اور منکرات کی روک تھام کے لئے اپنی جان ومال اور فکر ودماغ کی قوتوں کو صرف کر دینا۔ اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں جہاد کی روح سب سے زیادہ موثر قوت ہوتی ہے۔ جہاد کی روح جب تک برقرار رہے گی معاشرہ میں برائی نہیں پنپ سکے گی۔

جہاد کا آغاز بے جا خواہشات اور ہوائے نفس کے خلاف جہاد سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔ یہی جہاد وسعت پاتا ہوا سارے انسانی معاشرہ کو محیط ہو جاتا ہے اور معاشرے سے جاہلیت کی ایک ایک گمراہی اور باطل کے ایک ایک بت کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اسلامی مملکت اپنے آغاز ہی سے ایک دستوری مملکت ہوتی۔ اس مملکت کا ہر فرد دین اسلام کا محافظ اور قانون اسلامی کا نگران ہوتا ہے۔ یہاں ہر فرد قانون کا پابند ہوتا۔ کوئی فرد بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ اس دستوری مملکت کے ارباب حل وعقد کا سب سے بڑا فریضہ یہی ہے کہ اللہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کو جاری ونافذ کریں، ظلم وفسق کو ختم کر کے عدل ونیکی کو قائم کریں۔ اس نیک مقصد میں پوری امت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ لیکن امت اس کے ساتھ اپنے ارباب حل وعقد پر گہری نظر بھی رکھتی ہے۔ وہ ان کے اعمال وکارکردگی کا جائزہ لیتی رہتی ہے اور دیکھتی ہے کہ یہ لوگ اپنے فرائض پوری دیانتداری سے ادا کر رہے ہیں یا نہیں منصبی اختیارات اور سرکاری قوت کا استعمال

ٹھیک ٹھیک ہو رہا ہے۔ یا اس میں کوتاہی کی جارہی ہے۔ یہ امت جہاں کوتاہی دیکھتی ہے وہاں متنبہ کر دیتی ہے۔ حکمرانوں کو ان کے فرائض منصبی میں کوتاہی پر تنبیہ کرنا بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ مغرب کے جمہوری نظام میں حکمرانوں پر تنقید کرنا شہری کا محض حق ہے۔ لیکن اسلام ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ برائی کو جہاں دیکھے اسے روک دے اس کے زبان و قلم کی ہر قوت کو استعمال میں لائے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص بھی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھوں سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

کمزور ایمان ہرگز مطلوب نہیں۔ اصل مطلوب پہلی صورت اور پھر دوسری صورت ہے۔ جہاد کی یہی وہ قوت ہے جو ملت کے ارباب حل و عقد کو بھٹکنے یا غلطی کرنے سے باز رکھتی ہے اور اگر کسی وقت کوئی جابر و ظالم حکمران بھی مسلط ہو جائے۔ تب بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم و جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کو عظیم جہاد فرمایا ہے۔

ان من اعظم الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر

جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

قرآن حکیم میں جان و مال دونوں کے ساتھ جہاد کا حکم ہے۔

الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله باموالهم وانفسهم اعظم درجة عند الله

جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کیا انہی لوگوں کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے (توبہ ۲)

ملت اسلامیہ کے ہر فرد کی زندگی مجاہدانہ زندگی ہونی چاہیئے۔ اور جہاد کا یہ عمل زندگی کے آخری سانس تک مسلسل جاری رہنا چاہیئے اسی کا حکم بھی ہے۔

وَجَاهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج ۷۸)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کی راہ میں جہاد کرنے کا

اسی پر ہدایت و کامیابی کا دارومدار ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی راہنمائی کریں گے (عنکبوت ۶۹) اور پھر جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر انسان اپنی عزیز ترین جان کا نذرانہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر کے شہادت کے عظیم ترین منصب پر فائز ہو جاتا ہے یہی اہل ایمان کا مقصود ہوتا ہے کہ موت کو گلے لگا لو لیکن باطل کے سامنے ہرگز نہ جھکو۔